عثمانؓ
صرف تاریخ کی روشنی میں

از
ڈاکٹر طٰہٰ حسین
مترجم
(مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی)

مصر کے مشہور و معروف اہل قلم ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے حال ہی میں الفتنۃ الکبریٰ کے عنوان سے تین کتابیں لکھی ہیں عثمانؓ، علیؓ، اور معاویہؓ ان کتابوں میں موصوف نے خلافت راشدہ کے تیسرے دور سے شروع ہو جانے والی آویزش پر صرف تاریخ کی روشنی میں بحث کی ہے اردو میں غالباً اس نوع کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ناظرین "برہان" کے لئے ہم پہلی کتاب کے چند ابتدائی اوراق پیش کرتے ہیں جس سے مصنف کے فکر کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

عبدالحمید نعمانی

اپنے بس بھر کوشش کروں گا کہ جو کچھ پیش کروں پورے اخلاص کے ساتھ اور حق و صداقت کی خاطر، میں پوری قوت صرف کروں گا کہ میرے پیش نظر صرف حقیقت حال ہو، اصلیت اور انصاف ہو، میں حضرت عثمانؓ کے قضیے میں حصہ لینے والے اسلامی فرقوں میں سے کسی ایک کی ہواخواہی اور طرفداری نہیں چاہتا، عثمانی حمایت، اور علوی شیعیت، میں دونوں سے علیحدہ ہوں، میرے فکر و نظر کا گوشہ اس معاملے میں وہ نہیں جو خود حضرت عثمانؓ کے معاصرین کا تھا جنہوں نے اس کشمکش کے مصائب برداشت کئے اور ان کی وفات

کے بعد بھی اس سے پیدا ہونے والے نتائج کا شکار بنے رہے۔

میں جانتا ہوں کہ لوگ آج بھی اس مسئلے میں اسی طرح مختلف خیالات رکھتے ہیں جس طرح حضرت عثمانؓ کے عہد میں رکھتے تھے، ایک طرف عثمانی ہیں جو صحابہ میں شیخین کے بعد حضرت عثمانؓ کا درجہ سب سے اونچا جانتے ہیں، دوسری طرف شیعی ہیں جو نبی کریم صلعم کے بعد حضرت علیؓ ہی کا درجہ مانتے ہیں، ان کے خیال میں شیخین کے لئے بھی قدر و منزلت کی کوئی گنجائش نہیں، کچھ لوگ بیچ میں ہیں، کچھ تھوڑی سی عثمانیت اور کچھ ذرا سی علویت اور دونوں میں درمیانی راہ، یہ لوگ تمام صحابہ کی عظمت و احترام کے قائل ہیں، السابقون الاولون کا درجہ بھی پہچانتے ہیں، پھر صحابہ میں باہمی فضیلت ان کے نزدیک ضروری نہیں، ان کا خیال ہے کہ تمام صحابہ نے پوری سرگرمی کے ساتھ کام کیا، اللہ کی راہ میں، رسول کی محبت میں، اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں رشد و ہدایت کی منزلیں طے کیں، بعضوں سے کچھ کوتاہیاں بھی ہوئیں لیکن وہ سب کے سب اجر عظیم کے مستحق ہیں اس لئے کہ ان کا مقصد نیک تھا، ان کی نیت قصور اور کوتاہی کی نہ تھی، اسلام کے مختلف فرقوں کے یہ خیالات ہیں جن پر وہ پوری شدت کے ساتھ جمے ہوئے ہیں اور جن کی مدافعت اور حفاظت میں مر مٹنے کو تیار ہیں اس لئے کہ ان خیالات کا مرکز دین و ایمان ہے اور ایک بندۂ مومن کے اعمال و معتقدات کی تمنا اپنے دین کی حفاظت، اپنے یقین کی مضبوطی اور خدا کی خوشنودی کے سوا کچھ نہیں،

میں اس معاملے کو ایک ایسی نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہوں جو جذبات اور تاثرات کی عینک سے ہو کر نہ گزرتی ہو، جو مذہب کی تاثیر اور عقیدے کے اثر سے خالی ہو، یہ نگاہ ایک مورخ ہی کی ہو سکتی ہے جو اپنے آپ کو رجحانات، جذبات اور خواہشوں سے بالکل الگ کر لیتا ہے

مسلمانوں کی ایک جماعت اور کہنا چاہئے بہترین مسلمانوں کی جماعت اس فساد

آفریں حادثے سے قبل ہی اللہ کی رحمت کو پہونچ چکی تھی، اس کا دنیا سے اٹھ جانا اس کے ایمان اور قدر و منزلت میں کسی کمی کا باعث نہ ہو سکا بلکہ ان کی موت نے ان کو لغزش کے مواقع اور مشتبہ پوزیشن سے بچا لیا، اور وہ دنیا سے کامیاب اور بامراد، شر و فساد سے محفوظ رخصت ہوئے، لیکن اصحاب رسول صلعم کی ایک پوری جماعت قضیۂ عثمانی کے وقت موجود تھی، جب مسلمان اپنی تاریخ میں شدید ترین فسادت اور عداوت کے ساتھ اس قضیہ میں حصہ لے رہے تھے بعض صحابہ رض نے اس میں حصہ نہیں لیا وہ اس میں شرکت کے بالکل روادار نہیں ہوئے، نہ کم نہ زیادہ، وہ حصہ لینے والوں سے کنارہ کش رہے، انھیں میں کے ایک خدا کی ان پر رحمت ہو سعد بن ابی وقاص ہیں جنہوں نے فرمایا " میں تو

لا اقاتل حتی تاتونی بسیف یعقل	اس وقت لڑوں گا جب تم مجھے ایسی تلوار
ویبصر وینطق فیقول اصاب ھذا	لاکر دو گے جو فکر و نظر رکھتی ہو اور جو یہ بولتی ہو
واخطاء ذاك	کہ اس نے غلطی کی اور یہ حق بجانب ہے۔

میں حضرت سعد اور ان کے ساتھیوں کی راہ چلنا چاہتا ہوں رضی اللہ عنہم، طرفین میں سے مجھے نہ ایک سے پرخاش ہے نہ دوسرے سے بحث و تکرار، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے علم اور لوگوں کی اطلاع کے لئے ان حالات کا پتہ چلاؤں، اس ماحول تک پہنچوں جس نے طرفین کو فتنے میں مبتلا کر دیا اور باہمی خصومت کا ایک ایسا سلسلہ جاری کر دیا جس نے بڑی بے دردی کے ساتھ ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا اور غالب گمان ہے کہ یہ جدائی آخر زمانے تک باقی رہے گی، اس کتاب کے پڑھنے والے آگے چل کر پڑھیں گے کہ حالات کی نزاکت اور معاملات کی خطرناکی حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض اور ان کے موافقین و مخالفین سب کے بس سے باہر تھی، وہ واقعات میں پڑھیں گے کہ جن حالات میں حضرت عثمان رض مسند نشین خلافت ہوئے اگر ان میں کسی دوسرے کو بھی تخت خلافت پر بٹھا دیا جاتا تو وہ بھی انھیں کی طرح فتنہ و فساد کے مصائب اور آلام میں مبتلا ہوتا اور لوگ اس سے

بھی جدال وقتال کرنے۔

میں تو اس خیال کا ہوتا جارہا ہوں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے تخیل میں جو اسلامی خلافت تھی وہ ایک دلیرانہ تجربہ اور فدا کارانہ اقدام تھا جس کی تکمیل نہ ہو سکی اور شاید اس کی تکمیل کے مواقع ممکن نہ تھے اس لئے کہ یہ تجربہ وقت سے بہت پہلے شروع کر دیا گیا۔

اب تک انسانیت نے تجربہ اور آزمائش کی کتنی ہی منزلیں طے کر لی ہیں حکومت اور تشکیل حکومت کے سلسلے میں تو اس کی ترقی اور تجربہ کی پرواز اونچی سے اونچی چوٹی تک پہنچ چکی ہے لیکن کیا فرماتے ہیں آپ کیا انسانیت ان ترقیوں اور تجربوں کے بعد بھی ایک ایسے نظامِ حکومت کی تشکیل میں کامیاب ہو سکی، جس میں سیاسی اور سماجی انصاف کے تقاضے ٹھیک اسی طرح پورے ہوتے ہوں جس طرح حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اپنے اپنے عہد میں پورا کرنا چاہتے تھے۔

انسانیت نے طرح طرح کی حکومتیں بنائیں، ایک حکومت تو وہ بنائی جس میں بادشاہ اپنے آپ کو خدا تصور کرتے تھے دوسری حکومت ایسی بنائی جس میں بادشاہ خدا تو نہیں لیکن دیوتاؤں اور خدا کا سایہ تسلیم کیا گیا، اس سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ بادشاہ کی ذات کسی ایک خدا کا پر تو ہے، یہ سارے بادشاہ صحیح یا غلط خیال کرتے تھے کہ ان کا اقتدار عوام کا عطیہ نہیں ہے بلکہ یہ تو ان کے آباو اجداد سے ان کو ملا ہے جو خدا تھے، یا ان دیوتا، یا دیوتاؤں کا عطیہ ہے جن کا روپ انھوں نے دھارن کیا ہو،

اب اس قسم کے بادشاہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں جو احکام بھی صادر فرماتے اس میں صرف ان کے دل کی خوشی کار فرما ہوتی عوام خوش ہوں گے یا ناراض؟ اس کی ذرا بھی پرواہ نہ ہوتی اور ہوتی بھی کیسے عوام تو پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ اطاعت کریں، حکم بجا لائیں، انھیں ناراض یا خوش ہونے کا کوئی حق نہیں، ان کی مرضی یا ناپسندیدگی بادشاہوں کی طبیعت میں کسی تبدیلی کا باعث نہیں ہو سکتی تھی بالکل اسی طرح جیسے آفتاب

کے نکلنے سے خوش اور اس کے ڈوب جانے پر ناراض ہوتے ہوں لیکن وہ نہ آپ کی خوشی پر طلوع ہوگا اور نہ آپ کا غصہ اس کو غروب ہونے سے روک سکتا ہے،

انسانیت نے اس قسم کے بادشاہوں اور ان کی حکومتوں کا تجربہ کیا ان سے اس کو کچھ برائے نام راحت ملی زیادہ تر تو عذاب ہی عذاب رہا۔ تب اس نے اس میں انقلاب لانے کی کوشش کی، اس کی یہ کوشش کہیں کہیں کامیاب بھی ہوئی، چنانچہ مٹھی بھر اشراف اور امراء کی حکومت ظہور میں آئی جو اپنے درمیان مساوات کے قائل تھے لیکن عوام میں وہ بھی اس کے روادار نہ تھے اسی طرح مطلق العنان ظالموں اور سفاکوں کا دورِ حکومت آیا جو مظلوم عوام کی دستگیری کے نام سے میدان میں آئے انھوں نے اعلان کیا کہ وہ ان گنے چنے امرا اور سرداروں کے مظالم سے عوام کو نجات دلائیں گے وہ عدل و مساوات پھیلائیں گے۔ قوی اور کمزور غریب اور امیر کا فرق مٹا دیں گے مضبوط اور معذور دونوں ان کی نگاہوں میں ایک ہوں گے لیکن وہ یہ سب تو نہ کر سکے الٹے لوگوں میں مظالم کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع کر دیا اور عوام کے ساتھ اشراف کو بھی ذلیل کر کے انسانیت کو اسی ذلت، اور بدبختی کے گڑھے میں پہنچا دیا جہاں سے وہ نکلنا چاہتی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ گہرے غار میں۔

اس کے بعد انسانیت نے ایک ایسے نظامِ حکومت کا منہ دیکھا جس کے متعلق اس کا خیال ہے کہ وہ بہترین اور معقول ترین دستورِ حکومت ہے عوام اس کے ذریعے سیاسی انصاف اور سماجی مساوات کا پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ نظام حکومت یہی جو عوام کو اپنے معاملات کا خود مختار بناتا ہے اور ان کو حق دیتا ہے کہ وہ اپنے لئے جیسا نظم چاہے بنائیں انسانیت نے اس نظام کا تجربہ کیا بلاشبہ اس کے ذریعہ اس کو انصاف کی ایک قسط مل گئی۔ لیکن پوری پوری قسط وصول نہ ہوسکی اور جو ہوتی وہ بھی بالکل سطحی اور سرسری، چنانچہ آج بھی لوگ کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہوسکے اور یک جہتی اور اشتراک سے محروم ہیں، عوام کی لگام بظاہر بلاشبہ عوام کے ہاتھ میں ہے لیکن حقیقت کچھ بھی نہیں، پوچھا یہ جاتا ہے کہ عوام

کیا چاہتے ہیں؟ اب اگر جواب میں اختلاف ہوا اور اختلاف کا ہونا یقینی ہے تو فیصلہ اکثریت کے حق میں ہو جاتا ہے اقلیت کی پرواہ نہیں کی جاتی اس طرح اکثریت کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اقلیت کو پامال کر دے اس کی مرضی کے خلاف اس پر حکمراں ہو، اگر اکثریت کو یہ موقع دیا جاتا کہ وہ براہ راست اپنے اوپر اور اقلیت پر حکمرانی کرتی تو شاید یہ نظام انصاف سے قریب تر اور مظالم سے بڑی حد تک خالی ہوتا لیکن اکثریت کی براہ راست حکومت کی کوئی شکل نہیں اس لئے ہوتا یہ ہے کہ اکثریت حکومت کرنے کے لئے اپنے نمائندے چنتی ہے، یہ چناؤ بسا اوقات جبر و تشدد اور دہشت کی فضا میں، مکر و فریب رشوت اور لالچ کی تاریکی میں انجام پاتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا لیکن اس سے تو مجالِ انکار نہیں کہ یہ نمائندے جنہیں اکثریت پسند کرتی ہے اور حکومت کی لگام ان کے ہاتھ میں دیتی ہے انسانوں ہی میں سے کچھ انسان ہوتے ہیں جن میں پختگی بھی ہوتی ہے اور خامی بھی، سختی بھی ہوتی ہے اور نرمی بھی، قناعت بھی ہوتی ہے اور حرص بھی، ایثار بھی ہوتا ہے اور خود غرضی بھی، پس یہ ہر وقت راہ سے ہٹ جانے کی زد میں ہیں اور ان سے خطرہ ہے کہ حدِ اعتدال سے بڑھ جائیں اور اپنے ساتھ عوام کو بھی غلط راہ پر لے جائیں اور بالآخر بے انصافی کی وہی فضا پیدا کر دیں جو مستبد بادشاہوں، خود غرض اشراف، خوں خوار ظالموں اور سفاکوں کے عہد حکومت میں تھی۔

اتنی ساری مشکلات اور ابھی ہم سیاسی انصاف کی منزل ہی میں ہیں پھر آپ اندازہ کیجئے کہ سماجی مساوات کی امید کس طرح کی جا سکتی ہے جس کا مقصد صرف یہی نہیں کہ سب لوگ حکومت کی نگاہ میں برابری کا درجہ رکھتے ہوں بلکہ تمام لوگ زندگی کے وسائل اور ذرائع سے بھی یکساں مستفید ہو سکیں، اب تک انسانیت نے مختلف زمانوں، مختلف خاندانوں اور مختلف حالات میں جتنے نظامِ حکومت بھی دیکھے ان میں سے ایک بھی اس سماجی مساوات کا حامل ثابت نہیں ہو سکا جو عوام میں وہ اطمینان، وہ خوش گواری اور وہ امن پیدا کر دے جو بے چینی، بے زاری اور خوف سے خالی ہو پھر عہدِ حاضر کی انسانیت کو جو کچھ حاصل ہے

وہ کسی طویل بحث کا محتاج نہیں، ڈیماکریسی نے قانون کی نگاہ میں عوام کو ضرور کسی حد تک آزاد اور مساوی بنا دیا ہے، لیکن وہ ان کے لئے سماجی مساوات کی ضامن نہیں، اشتراکیت نے ضرور کم وبیش سماجی مساوات اور انصاف کے تقاضے پورے کئے، چنانچہ اس نے طبقاتی فرق کو دور کیا مزدوروں کو اپنی محنت سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ محتاجوں اور معذوروں کے لئے باعزت زندگی گذارنے کی سبیل نکالی لیکن یہ سب دے کر ان سے آزادی چھین لی۔ اور ڈکٹیٹر شپ نے تو سبھی کچھ غصب کر لیا، نہ آزادی باقی رکھی نہ مساوات، عوام کو بری طرح شرمناک حد تک غلام اور حکومت کا آلۂ کار بنایا اور اس غلامی کے بدلے میں بھی اس نے عوام کو کچھ نہیں دیا،

ایک صالح حکومت کی تلاش میں انسانیت نے یہ سارے راستے طے کئے اور نظامِ حکومت کے خوب خوب تجربے کرتی رہی لیکن ہنوز دلی دور است، اب تک وہ ظلم وستم کی شاکی ہے اور غلامی کی ذلتوں سے تنگ آچکی ہے۔ وہ متلاشی ہے ایک ایسے صحیح اور مستقیم نظامِ حکومت کی جو انسانوں کو آزادی اور انصاف کی نعمت عطا کرے، یہ صحیح اور مستقیم نظامِ حکومت وہی ہے جس کے قیام کی کوشش اسلامی خلافت نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے عہد میں کی تھی لیکن ابھی اس تجربے کی ابتدا بھی نہ ہو سکی تھی کہ صدیق اکبرؓ اس عالمِ فانی سے رخصت ہو گئے، ابھی اس تجربے کی راہ میں چند بڑے بڑے قدم ہی اٹھائے تھے کہ فاروق اعظمؓ شہید کر دئے گئے مزید برآں حضرت عمرؓ ان اقدامات سے پوری طرح مطمئن بھی نہیں ہو سکے، اپنی خلافت کے آخری دنوں میں آپ فرماتے تھے کہ جو کچھ میں نے آخر میں کیا اگر وہ پہلے کرتا

لو استقبلت من امری ما	تو دولت مندوں سے ان کی پڑی ہوئی بے کار
استدبرت لاخذت من الاغنیاء	دولت لے لیتا اور محتاجوں تک پہنچا دیتا
فضول اموالھم فرددتھا علی الفقراء	

اس کے معنی یہی ہیں کہ حضرت عمرؓ سماجی مساوات کا تقاضہ اچھی طرح پورا نہیں کر سکے

پھر کسی امیر یا والی کا کیا ذکر ؟ مسلم اور غیر مسلم سبھی جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی طرح قیام عدل کا نہ کسی امیر نے ارادہ کیا اور نہ پورا کر دکھایا پھر یہ کہ لوگ بھی حضرت عمرؓ کے تجربات سے خوش نہ تھے، عوام آپ سے خائف اور مرعوب تھے اور ڈر کر آپ کے احکام کی تعمیل کرتے تھے آپ کا بڑے سے بڑا چاہنے والا ہو یا آپ کا زیادہ سے زیادہ محبوب، کسی کو بھی اس بات کی کامیاب سفارش کا حوصلہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ خود اپنی ذات کے متعلق یا دوسروں کے بارے میں کچھ نرمی اور چشم پوشی سے کام لیں، کیونکہ آپ عدل کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے، اور آخری بات یہ کہ مفتوحین کو بھی یہ تجربات خوش نہ رکھ سکے، وہ خیال کرتے تھے کہ ان کی مرضی کے خلاف اور ان کی طاقت کے باہر ان سے کام لیا جاتا ہے، انھیں یہ بھی خیال تھا کہ تمدن اور تہذیب میں ان کا درجہ پہلے ہے عرب تو نو تہذیب ہیں اور ابھی ابھی ان میں تمدن آیا ہے بس یہ بات ان کی مرضی کے بالکل خلاف تھی کہ متمدن اور مہذب لوگوں پر وحشی دیہاتیوں کو مسلط کر دیا جائے، حضرت عمرؓ اسی قسم کی ناراضگی کے نتیجے میں شہید کر دئیے گئے، انھیں مفتوحین میں سے ایک نے جب اپنے آقا مغیرہ بن شعبہ کی شکایت کی اور تحقیق کے بعد حضرت عمرؓ نے کچھ عتاب نہیں کیا تو اس نے آپ کے خنجر بھونک دیا جب کہ آپ نماز کے لئے بڑھ رہے تھے،

لیکن یہ بڑی زیادتی ہوگی کہ ہم اس دلیرانہ تجربے پر اس قدر غیر معمولی عجلت کے ساتھ رائے قائم کر لیں، اس تجربے کا ہم پر حق ہے کہ ہم پوری توجہ اور بصیرت کے ساتھ غور کریں کہ کیا یہ کوئی پائدار چیز تھی اور کیا یہ ممکن تھا کہ یہ تجربہ کامیاب ہو جاتا اور اس سے جو مقصد تھا وہ پورا ہو جاتا ہم غور و فکر کے بعد ہی اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں جو انصاف کی خاطر ہم نے اپنے سر لی ہے اور پھر یہ غور و فکر بہت سی ان مشکلات کے سمجھنے میں ہماری مدد کرے گا جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فتنہ و فساد کا باعث بنیں یا بنائی گئیں اس لئے نہیں کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ تھے بلکہ اس لئے کہ وہ وقت ہی ایسا تھا کہ فتنہ ہو اور بعض لوگ کریں۔

مسلمانوں کے لئے تا حدِ امکان نبی کریم صلعم کی سیرت کا نمونہ پیش کر دینا حضرت ابو بکرؓ

اور حضرت عمرؓ کے نظامِ حکومت کی بنیاد تھی، سیرتِ نبوی کا ہر رخ مسلمانوں پر اچھی طرح روشن ہو چکا تھا جس کا مرکزی پہلو یہ تھا کہ تمام انسانوں کو سچا اور بے لاگ انصاف مل سکے اس کے لئے ہمیں کسی بحث اور دلیل کی ضرورت نہیں بھول جانے والوں کے لئے ہمارا یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اسلام نے دنیا کے سامنے سب سے پہلے دو باتیں پیش کی ہیں، ایک توحید اور دوسری انسانی مساوات ارشاد خداوندی ہے

إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

ہم نے تم کو نر اور مادہ سے پیدا کیا اور تمہیں پہچاننے کے لئے قبائل اور شعوب میں تقسیم کر دیا، تم میں سب سے زیادہ برگزیدہ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہے

قریش کو سب سے زیادہ غصہ آپ کی اسی دعوت پر تھا کہ آپ لوگوں کو اس عدل اور مساوات کی طرف بلاتے تھے، آپ کی نگاہ میں حاکم و محکوم کا، آزاد اور غلام کا، قوی اور کمزور کا امیر اور غریب کا کوئی فرق نہ تھا اور سبھی کنگھی کے دانتوں کی طرح ایک سے تھے، آپ لوگوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ آپس میں نیچ اونچ کا برتاؤ نہ کرو، شاید کوئی اعتراض کرے کہ آپ نے غلامی کا خاتمہ تو نہیں کیا اور نہ اس کی ممانعت کی کہ کوئی کسی کا مالک نہ رہے، لیکن جو لوگ اسلام کو جانتے ہیں اور اس کی حقیقت کے آشنا ہیں ان کے نزدیک خدا کے دربار میں آقا اور غلام کا درجہ ایک کر دینا ہی اسلام کا وہ اقدام ہے جو تاریخِ انسانیت میں ایک عظیم الشان واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اگر پیش آنے والے واقعات فتنہ و فساد بن کر مسلمانوں کی راہ میں حائل نہ ہو گئے ہوتے تو یہ واقعہ اپنی عظمت بعد میں بھی باقی رکھتا اس لئے کہ خدا نے آقا اور غلام دونوں پر نماز فرض کی، دونوں کو روزے کا حکم دیا، دونوں کو تاکید کی کہ دلوں کو پاک اور نیتوں کو خالص کریں، اس نے دونوں کے لئے ایک ہی دین کا اعلان کیا، دونوں کے خون کو حرام کیا، ایسا نہیں کیا کہ غلاموں کا دین الگ ہو اور مالکوں کا الگ، اگر

مسلمانوں کے معاملات اپنے رخ پر چلتے تو یہ باتیں غلامی کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیتیں مزید براں خدا نے غلاموں کے آزاد کر دینے کو ان نیکیوں میں شمار کیا ہے جن کے لئے مسلمان پیش قدمی کر کے خدا سے اجر عظیم کے مستحق بنیں، اس نے دین میں بہت سے ایسے مواقع پیش کئے جہاں تک پہنچنے کے بعد غلام آزاد بن جاتا ہے۔ غرض غلاموں کی آزادی عمل صالح بتائی گئی، بعض گناہوں کا کفارہ قرار دی گئی اس طرح ہر وہ دروازہ کھولا گیا جس میں داخل ہو کر مسلمان ذوق اور شوق کے ساتھ اس فرض کو پورا کریں۔

یہی وہ باتیں ہیں جن کو سن کر قریش آگ بگولا ہو جاتے تھے، اور آں حضرت صلعم پر غصے میں دانت پیستے تھے، میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ قریش کو صرف توحید کی دعوت دیتے اور ان کے سماجی اور اقتصادی نظام کو نہ چھیڑتے، قوی، کمزور، امیر، غریب، آقا اور غلام کا فرق بدستور باقی رہنے دیتے، سود خوری کو حرام قرار نہ دیتے، دولت مندوں سے مال لینے اور فقیروں پر تقسیم کر دینے کا کام نہ کرتے تو قریش کی اکثریت بڑی آسانی کے ساتھ آپ پر ایمان لے آتی، اس لئے کہ قریش کے لوگ مخلصانہ طور پر بتوں سے نہ عقیدت رکھتے تھے اور نہ سچا جذبہ ان کی کیفیت تو تذبذب کی سی تھی اور وہ بھی شوخی اور تمسخر کے انداز میں یہ سارے بت ان کی نگاہ میں اصل مقصود نہ تھے، بلکہ عام عربوں کو قابو میں رکھنے کا ایک ذریعہ تھے، پھر اگر قریش کی بڑی اکثریت ایمان نہ لاتی تو جو بھی ایمان لاتے، لاتے جو نہ لاتے وہ رُکے رہتے، لیکن آپ کے لئے کسی آویزش یا عناد کا باعث نہ بنتے الغرض قریش کا غیظ و غضب جس قدر بتوں کی مذمت سے تھا اس سے کہیں زیادہ اس لئے تھا کہ آپ ان کے سماجی نظام پر بحث اور نقد و نظر فرماتے تھے اور آپ ایک ایسے انصاف کی دعوت دیتے تھے جو ان کی سیادت اور قیادت کے مفاد کے خلاف تھا۔

سب جانتے ہیں کہ آپ نے محض اسلام کی طرف رغبت کی خاطر بعض سرداران قریش کی طرف توجہ کی جس میں غریبوں سے کچھ بے التفاتی کا رنگ پیدا ہو گیا تو اللہ نے شدید

لہجے میں اپنا عتاب نازل کیا آج تک لوگ وہ آیتیں تلاوت کرتے ہیں جو اُمِ مکتوم کے واقعے سے متعلق وارد ہیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی	تیوری چڑھائی اور روگردانی کی اس بات پر کہ آگیا
وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰٓی اَوْ یَذَّکَّرُ	ان کے پاس نابینا اور آپ کو کیا خبر کہ شاید یہ سنور
فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی اِلٰی مَرْفُوْعَۃٍ	جائے یا نصیحت حاصل کرے پس فائدہ پہنچائے
مُّطَھَّرَۃٍ	اس کو نصیحت، مرفوعۃ مطہرۃ تک

پس انسانوں کی مساوات کی دعوت، توحید و عدل کی ان دو بنیادوں میں سے ایک کا مظہر تھی، جس پر اسلامی عمارت کا قیام ہے، نبی کریم صلعم کی اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں اور پھر مدینہ طیبہ میں جو زندگی رہی خود اس کا قوام اور مزاج تمام اہم معاملات میں عدل کا تقاضا پورا کرتا رہا اور وہ بھی اس اہتمام اور توجہ کے ساتھ کہ عام مسلمان اس بات کا یقین کرنے لگے کہ اسلام کے بنیادی ارکان میں عدل بھی ایک رکن ہے، جس سے سرتابی اسلام سے سرتابی اور جس میں کوتاہی دین میں کوتاہی ہوگی، یہی جذبہ تھا جس نے اس وقت جب کہ خود نبی کریم صلعم غزوۂ حنین کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم فرما رہے تھے اور دل جوئی کی خاطر بعض عربوں کو ان کے حق سے کچھ زیادہ دے دیا تو ایک مسلمان حقیقت سے بے خبر اس پر معترض ہوا اور بول اٹھا

اعدل یا محمد فانک لم تعدل یعنے انصاف فرمایئے یہ انصاف نہیں ہے

پہلے تو آپ نے توجہ نہیں کی لیکن جب اس نے دوبارہ کہا اور پھر کہا تو آپ کے چہرۂ انور پر غصے کے آثار نمایاں ہوگئے اور آپ نے فرمایا افسوس تجھ پر اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا۔

یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو دبوچ لیں لیکن آنحضرتؐ نے لوگوں کو اس سے باز رکھا اس لئے کہ آپ اپنے ساتھیوں کے لئے مشورے کی آزادی اور تنقید و اعتراض

کا حق تسلیم فرماتے تھے، اور پھر آپ نے یہ دل جوئی کا عمل اللہ کی وحی اور قرآن کی اجازت سے کیا تھا، سورۂ برأت میں صدقات سے بعض لوگوں کی دل جوئی کی اجازت ہے اور مصارفِ صدقات میں تالیفِ قلوب بھی ایک مصرف بتایا گیا ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے اگر مالِ غنیمت میں سے بعض عربوں کو کچھ زیادہ دے دیا تو یہ انصاف کے خلاف کوئی بات نہ تھی، آپ نے تو عدل کا تقاضا پورا کرنے میں انتہائی باریک بینی سے کام لیا ہے، حد یہ ہے کہ خود اپنی ذات تک بدلہ میں پیش کر دی ہے۔

(باقی آئندہ)

تفسیر مظہری (عربی)

کلامِ الٰہی کی بہترین تفسیر

علماء طلباء اور عربی مدرسوں کے لئے شاندار تحفہ

مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے تفسیر مظہری تفسیر کی تمام کتابوں میں بہترین سمجھی گئی ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے اپنی مثال نہیں رکھتی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم الشان تفسیر کے بعد کسی تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی امام وقت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالاتِ علمی کا عجیب وغریب نمونہ ہے۔

اس بے مثال کتاب کا پورے ملک میں ایک نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا شکر ہے کہ برسوں کی جدوجہد کے بعد آج ہم اس لائق ہیں کہ اس متبرک کتاب کے شایع ہونے کا اعلان کر سکیں تقریباً تمام جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں صرف آخری جلد جس میں دو پاروں کی تفسیر ہے زیرِ طبع ہے۔

ہدیہ غیر مجلد:۔ جلد اول سات روپے۔ جلد ثانی سات روپے جلد ثالث آٹھ روپے جلد رابع پانچ روپے جلد خامس سات روپے جلد سادس آٹھ روپے۔ جلد سابع آٹھ روپے جلد ثامن آٹھ روپے جلد تاسع پانچ روپے جلد عاشر زیرِ طبع۔ ھدیہ کل جلد تریسٹھ روپے رعایتی ساٹھ روپے